اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

توضیحِ روایات دربیانِ

طلبِ دیدارِ خدا

از

فاضل العصر اسعد العلماء حضرت ابو سعید سید محمود صاحب تشریف اللّٰہیؒ

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اُس کی وحدانیت پر ایمان واعتقاد کے بعد اُس کی طلب پیدا ہونا ایک فطری لازمہ ہے۔ انسان کی نفسیات کا علم رکھنے والے اِس بات سے انکار نہ کر سکیں گے کے ہر انسان میں ذوقِ طلب کا جذبہ فطرۃً موجود ہے۔ جس کی وجہ صدہا ہزار ہا مقاصد دورانِ عمر میں حاصل ہوتے جاتے ہیں لیکن ذوقِ طلب میں فرق نہیں آتا۔ مطمئن ہونے نہیں پاتا۔ بڑی بڑی سندیں حاصل کرنے کے لیے نہایت انہماک و محنت کے ساتھ کوشش کئے جاتا ہے۔ جب یہ حاصل ہو جائیں تو طلب کا جذبہ ختم نہیں ہو جاتا۔ بڑے بڑے عہدے، عزو جاہ ، دولت و ثروت، اہل و عیال کی طلب پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ حاصل ہو جائیں تو پھر کسی نہ کسی طلب کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اِس طرح ہزاروں مقاصد حاصل ہوتے چلے جاتے ہیں پھر بھی تشنگیِ طلب موجود۔ سکون و اطمینان ندارد اِس نا قابل انکارِ حقیقت پر غور کرنا چاہیئے کہ آخر انسان کے لئے وہ کونسا مقصد ہے جس کے حاصل ہو جانے کے بعد جذبۂ طلب اتنا سیر ہو جائے کہ پھر کسی دوسری طلب کی ضرورت ہی نہ رہے۔ سکون واطمینانِ قلب نصیب ہو جائے۔ قرآنِ مجید کے اِس مضمون پر غور کرنے کی ضرورت ہے جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ازل ہی میں ہم سے کیا جواب لیا گیا تھا۔ " اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ‌ ؕ قَالُوۡا بَلٰى‌ ۛۚ " (سورۃ الاعراف۔ 172) یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ (بے شک تو ہی ہمارا رب ہے) اِس سے ظاہر ہے کہ ہم ازل ہی میں اِس ربوبیت کا اقرار کر چکے ہیں۔

اِس جہان میں آنے کے بعد انسان میں ذوقِ طلب کا پایا جانا اور دنیا کا کسی بڑے سے بڑا فائدہ حاصل ہو جانے کے باو جود سکون واطمینانِ قلب کا نصیب نہ ہونا اس امر کا بین ثبوت ہے کہ اس طلب کا اصل تعلق اسی ربوبیت سے ہونا چاہیے جس کا ہم اقرار کر چکے ہیں مگر عقل کی غلط رہبری اور گمراہ ماحول کے اثرات نے زیادہ تر انسانوں کو غیر اللہ کا پرستار بنا دیا۔ اور ایسے ہزاروں اسبابِ پرستش پیدا ہو گئے۔ خواہ کسی کی پرستش کی طرف مائل ہو جائیں لیکن کسی قابلِ پرستش و قابلِ عبادت وجود کی طلب و جستجو کا فطری میلان تو پایا جارہا ہے۔۔۔ جو لوگ منکرینِ خدا ہیں ان سے نظامِ کائنات کے اسباب و علل پر بحث کی جائے تو وہ بھی یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں کہ ایک طاقت

ضرور ہے جو اس نظامِ کائنات کی علت العلل ہے۔ گویا یہ "اللہ" کے منکر ہیں لیکن اس لفظ کے مفہوم کو ماننے پر مجبور ہیں اس لئے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا میں کوئی خدا کا منکر نہیں۔ اصطلاحات و تصورات کا فرق ہے۔ جس کی وجہ اعتقادات و عملیات میں بھی بہت بڑا فرق واقع ہو گیا ہے۔ اِسی لئے قرآنِ مجید میں مذکور ہے کہ:-

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ۔۔۔الخ (87) (سورة الزخرف) یعنی اور اگر تم اُن سے پوچھو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ "اللہ"۔

غرض انسان میں جو ذوقِ طلب موجود ہے اس کو اسی خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف رجوع کیا جائے جس کی وجہ ایسا سکون و اطمینان نصیب ہو سکتا ہے کہ غیر اللہ کی طلب کا ذوق ہی نہیں رہنے پاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ (27) ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً (28) فَادۡخُلِىۡ فِىۡ عِبٰدِىۡ (29) وَادۡخُلِىۡ جَنَّتِىۡ (30) (سورة الفجر)

ترجمہ:- اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف راضی برضا بن کر رجوع ہو جا۔ اپنے خدا کے بندوں میں شامل ہو اور جنتِ دیدار میں داخل ہو جا۔

انسان جس طرح نفع بخش و محفوظ کن محسوسات سے محبت رکھتا ہے اسی طرح اُن ماورائے محسوسات اُمور سے بھی محبت کرتا ہے جن کے فضل و کمال کا علم ہو جائے۔ رستم کو اگرچہ دیکھا نہیں لیکن اس کے کمالِ طاقت اور کمالِ شجاعت کا آج بھی علم ہوتا ہے تو اس کی قدر و محبت کا میلان پیدا ہو جاتا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہر شخص تسلیم کرے گا کہ کسی کے فضل و کمال کا ذکر ہو تو اس کی تعریف و توصیف اور اظہارِ قدر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح اس ذات وحدہ لاشریک کے مظاہرِ قدرت سے جب کہ اس کے کمالِ لایزال کا علم ہو جائے لازماً محبت اور اس کے احترام کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اِسی لئے ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان و اعتقاد کے بعد اس کی طلب پیدا ہونا ایک فطری لازمہ ہے۔

ہر شخص کی محبت اور طلب کا تعلق اسباب و اغراض کی نوعیتوں کا تابع رہا کرتا ہے۔ ہر ایک کی محبت اور اس کے درجاتِ ایقان کی حیثیت سے محبت کے مراتب بڑھتے جاتے ہیں۔ بعض لوگ صرف ظاہری نظامِ عبادات و معاملات کی حد تک مظاہرۂ محبت و اطاعت پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور بعض کے جذباتی عنصر میں اتنا انقلاب پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اُن حدود سے اوپر ترقی چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات منزہ عن التشبیہات ہے۔ کوئی تمثیل ممکن نہیں۔ صرف تفہیم کی خاطر ہم یہاں ایک نوعیت کا ذکر کرتے ہیں۔

کسی ملک کی رعایا اپنے حاکم کی حکومت میں زندگی بسر کر رہی ہے وہاں کے قوانین کی پابندی، سزا و جزا کو قبول کرتے ہوئے پوری اطاعت کر رہی ہے۔ اس لحاظ سے وہ سب لوگ مطیع و فرمانبردار رعایا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِنہی میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے قلوب میں یہ جذبہ موجزن ہوتا ہے کہ بادشاہ کے مقرب و منظورِ نظر بننے کا شرف و اعزاز حاصل کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے امن و امان اور عام اجتماعی سیاسی قوانین کے علاوہ دوسرے طریقے ایسے بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں کہ مقربِ بارگاہِ سلطانی بننے میں سہولت حاصل ہو۔ اِسی کے ذرائع اور وسائل کی جستجو میں منہمک رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سارے مراحل کے طے ہو جانے کے باوجود، تقرب کا اعزاز عطا ہونے کی درخواست کا منظور ہونا صرف لطف و کرمِ سلطانی کا محتاج رہا کرتا ہے۔

کلمۂ توحید، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، اوامر و نواہی سے متعلقہ عام مسائل پر اعتقاد و عمل، مطیعِ خدا اور رسول ہونے کے لئے کافی ہے۔ اس کے باوجود بعض مومنین ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں عرفان اور وصال الی المطلوب کی طلب پیدا ہوتی ہے۔ اس کے لئے عشق و محبتِ الٰہی کے لوازم اور کاملین صادقین کے فیضِ صحبت اور اُن کی تعلیم و تربیت پر صدقِ دل سے پورے طالبِ صادق کی شان میں عمل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان تمام شرائطِ عشق و محبت کی پابندی کے بعد بھی مقصد کا حاصل ہونا صرف فضلِ الٰہی پر منحصر رہتا ہے اور بس۔

ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُوۡالۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوتِ متخیلہ عطا فرمائی ہے۔ اس کی وجہ سے تصورات حاصل ہوا کرتے ہیں جو چیز اس کے سامنے ہو اس کا تصور تو جو اس ظاہریہ کے ذریعہ ہو جاتا ہے لیکن جو سامنے موجود نہ ہو اس کا ذکر کیا جائے اور اس کی خصوصیات و علامات بیان کی جائیں تو ذہن میں بوجہ ما اس چیز کا تصور پیدا ہو جانا ایک لازمی امر ہے۔ مثلاً جنگ کا محاذ ہم نے دیکھا نہیں لیکن وہاں کے حالات اور ہتیاروں کی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں تو اُن اُمور کی نسبت ایک تصور قائم ہو جاتا ہے۔ اگر وہاں کی تصاویر سامنے ہوں تو اس صورت میں جو تصور قائم ہو گا بلحاظ صحت اول الذکر تصور کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح ہو گا۔ سب سے زیادہ صحیح تصور تو اسی صورت میں ہو سکے گا جب کہ ہم خود جنگ کے محاذ پر پہنچکر بچشمِ خود معائنہ کریں۔ تصور کی اس مجمل گفتگو کے بعد یہ سمجھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں رسولوں اور صحائف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی صفات و خصوصیات سمجھائی گئی ہیں۔ دنیا میں اس کی قدرت کے گوناگوں مظاہرات پر سے اس کے وجود کا یقین پیدا کیا گیا ہے۔ جس کا اقرار اولین شرطِ اسلام قرار دی گئی ہے۔ اس اہتمامِ اقرار کے بعد انسان کے ذہن میں اللہ کے وجود کے متعلق بوجہ ما تصور پیدا ہونا بھی فطری امر ہے۔ یہ تصور جس انسان میں زیادہ سے زیادہ قریب الصحت ہو گا اقرارِ توحید کے منازل میں اس کا مقام آگے ہو گا۔

بحر العلوم علامہ شمسی مرحوم نے لکھا ہے:-

"وجود اور صفاتِ باری تعالیٰ چونکہ حکما و صوفیہ کے پاس عینِ ذاتِ باری تعالیٰ ہیں تو محال ہے کہ باری تعالیٰ کا تصور بالکنہ یا بکہنہ ہوسکے مگر تصور بالوجہ و بوجہہ محال نہیں کیونکہ مخلوقات اوران کے آ ثار میں غور کرنے سے تصور بالوجہ اور تصور بوجہہ کا حصول ممکن ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں فکر و غور کرنے کا حکم دیا ہے۔ (تنویر الہدایہ 16)

زبان سے کلمۂ توحید کہہ دینے رسول و قرآن پر ایمان لانے اور حتیٰ المقدور قوانین کا اتباع کر لینے سے داخلِ اسلام

تو ہو جاتا ہے لیکن یہ عامیوں کا درجہ ہے۔ دوسری صورت اُن علماو متکلمین وفلاسفہ کی ہے جو دلائل وبراہین سے وجودِ باری تعالیٰ ثابت کرتے ہیں۔ تیسری صورت اُن عارفین کی ہے جو استدلالی طریقہ کو ناقص سمجھتے اور دیدار کے طالب ہوتے ہیں۔ گویا علم الیقین سے عین الیقین زیادہ کامل ہے اور اس سے زیادہ حق الیقین کا درجہ ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں:-

ان القلوب الصافية مجبولة على حب معرفة الله على اكمل الوجوه و اكمل طوق المعرفة هوالروية (تفسیرِ کبیر جلد 3 صفحہ 243)

ترجمہ:- بے شک صاف قلوب، اللہ تعالیٰ کی معرفت کامل ترین درجہ پر حاصل کرنے کے لئے فطرۃً مائل ہیں۔ اور معرفت کا کامل ترین طریقہ رویت ہے۔

گفت ایں علم و ہنر گفتم کہ پوست ☆☆☆ گفت حجت چیست؟ گفتم روئے دوست

گفت دین عامیاں؟ گفتم شنید ☆☆☆ گفت دین عارفاں؟ گفتم کہ دید (اقبالؔ)

علم سے متعلقہ احکام کے باب میں عشق و علم اور علومِ مکاشفہ و علومِ شرعیہ پر تفصیلی بحث کی جائے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے عقیدۂ شریفہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:-

نیز حکم کردہ است کہ از ہریکے مرد و زن طلبِ دیدارِ خدا فرض است تا آنکہ بچشمِ سر یا بچشمِ دل یا درخواب نہ بیند مومن نباشد مگر طالب صادق ۔الخ

ترجمہ:- نیز امامنا علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ ہر مرد و عورت پر طلبِ دیدارِ خدا فرض ہے۔ چشمِ سر یا چشمِ دل سے یا خواب میں خدا کو جب تک نہ دیکھے مومن نہ ہوگا مگر طالبِ صادق (پر بھی ایمان کا حکم ہے)۔

مؤمن کی یہ خصوصیت درجاتِ یقین کے اعتبار سے ہے۔ لیکن مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مذہبِ مہدویہ میں بجز دیدارِ خدا کے مؤمن نہیں ہو سکتا اور مہدویوں پر خوب طعن وتہزو کیا ہے۔ اور دیدارِ خدا

کے بارے میں بھی انھوں نے اختلاف کیا ہے اور اس کو مسلماتِ اہلِ سنت کے مغائر قرار دیا ہے۔۔۔ناظرین

خود محسوس فرمالیں گے کہ یہ غلط الزام ہے۔ کیونکہ فرمانِ مذکور الصدر میں "دیدارِ خدا" کو فرض نہیں کہا گیا ہے بلکہ "طلبِ دیدار" فرض قرار دی گئی ہے اور دیدار پر ایمان کا انحصار بھی نہیں کیا گیا ہے۔ "مگر طالبِ صادق" کے الفاظ اس کے شاہد ہیں۔ اس کے علاوہ "نقلیاتِ میاں عبد الرشیدؒ" میں اِسی مضمون کی صاف و صریح روایت موجود ہے کہ: "حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا مومنِ حقیقی وہ شخص ہے جو بینا ہو، چشمِ سر سے یا چشمِ دل سے یا خواب میں۔ اگر ان تینوں میں سے ایک بینائی بھی حاصل نہ ہو اور پوری طلب رکھتا ہو کہ بینائی روزی ہو تو ایسے مومن پر بھی ایمان کا حکم ہے"۔ ملاحظہ ہو روایت (188)۔

اِسی مضمون کی ایک اور توضیحی روایت بیان ہوئی ہے جس میں "ظالم النفسہٖ" مقتصد اور سابق بالخیرات کی تفسیر بیان ہوئی اور جبروتی، ملکوتی، لاہوتی ان تینوں مقامات کے ذکر کے بعد یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں کہ:-

ہریکے ازیں سہ مقام ندارد و طلب و سعی ہم ندارو ماتم نمی کند آں از گروہ مہدی نباشد ازمدعیاں و مکذباں ناشد (روایت 223)

اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ دیدارِ الٰہی سے مطلق مشرف نہ ہوئے ہوں اُن سے نفسِ ایمان کی نفی نہیں کی گئی ہے مگر افسوس

کہ مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے یہ الزام عاید کیا ہے کہ جن مہدویوں کو دیدار حاصل نہیں وہ سب کافر ہیں۔ حالانکہ اِسی قسم کے احکام کی مثالیں آیات و احادیث میں بھی موجود ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿47﴾ (سورۃ المآئدۃ)

ترجمہ:- اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے جو لوگ اس کا حکم نہ کریں وہ فاسق ہیں۔

حدیثِ شریف ہے کہ:-

لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهدله۔

ترجمہ:- جس شخص میں امانت نہ ہو اس کو ایمان نہیں ہے جس میں عہد کی پابندی نہ ہو اس کو دین نہیں۔

ایضاً:-المسلم من سلم المسلمون من یدہٖ و لسانه۔

ترجمہ:- مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ سے اور جس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

ایضاً:-من ترک الصلوٰة متعمداً فقد کفر۔

ترجمہ:- جس نے عمداً نماز ترک کی وہ کافر ہوا۔

ایضاً:-لیس بمومن مامن بات شبعاناو جاره جایع۔

ترجمہ:- وہ شخص مومن نہیں جس کا ہمسایہ بھوکا ہو اور خود پیٹ بھر کھا کر رات گزارے۔

ایسی بہت ساری مثالیں ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ان احکام کی اتباع جن مسلمانوں میں نہ پائی جائے وہ مسلمان و مومن نہیں کہلائے جاسکتے؟ اس کا جو کچھ جواب ہو گا وہی ہمارا جواب ہے۔

اللہ کا دیدار چشمِ سر یا چشمِ دل سے یا خواب میں ہونے کے بارے میں مہدویہ کا جو مسلک ہے وہ بھی مسلماتِ اہلِ سنت کے مغائر نہیں ہم اس کی بھی مختصراً توضیح دیتے ہیں۔

شرح مواقف جو علم کلام کی مشہور کتاب ہے اس میں دیدار کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے:-

اجتمعت الائمة من اصحابنا علیٰ ان رویة اللہ تعالیٰ فی الدنیا و الاٰخرة جائزة عقلاً واختلفوا فی جوازها سمعا فی الدنیا فاثبة بعضهم و نفاہ اٰخرون۔

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ کی رویت، دنیا و آخرت میں عقلاً جائز ہونے پر ہمارے ائمہؒ کا اجماع ہے۔ اور بہ اعتبارِ نقل دنیا میں جائز ہونے پر اختلاف ہے۔ بعض نے دنیا میں دیدار ہونے کو ثابت کیا ہے اور بعض نے اس کی نفی کی ہے۔

اور شرح عقاید میں لکھا ہے کہ:-

ھٰذا مشعر بامکان الرویۃ فی الدنیا۔ یعنی یہ اشارہ ہے اس بات کا کہ دنیا میں رویت ممکن ہے۔

اور علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں ذکر کیا ہے کہ:-

اما الاجماع فاتفاق الامۃ قبل حدوث المخالفین علیٰ وقوع الرویۃ

ترجمہ:- مخالفین پیدا ہونے کے پہلے امتِ محمدیہؐ نے وقوعِ رویت پر اتفاق کیا ہے۔

ایضاً:- حتی روی حدیث الرویۃ احدو عشرون رجلاً من کبار الصحابۃ رضی اللہ عنہم۔

ترجمہ:- رویت کی حدیث اکیس جلیل القدر صحابیوں سے مروی ہے۔

قرآنِ مجید میں دیدارِ الٰہی سے متعلق جو آیتیں ہیں ان میں سے ہم یہاں صرف ایک آیت کی بحث پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ ایسی آیت ہے کہ جس پر معرکتہ الآرا بحثیں ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿103﴾ (سورۃ الانعام)

ترجمہ:- ابصار اِس کا (اللہ تعالیٰ کا) ادراک نہیں کر سکتے اور وہ ابصار کا ادراک کرتا ہے اور وہ لطیف خبیر ہے۔

بعض جماعتوں نے اس آئیہ شریفہ سے نفیِ رویت پر استدلال کیا ہے اور مفسرینِ اہلِ سنت نے اس سے دیدارِ الٰہی کا ثبوت بیان کیا ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ نے تفصیلاً بحث کرتے ہوئے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اس آیت سے دیدارِ الٰہی کی نفی نہیں بلکہ تائید ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ کسی شئے کو دیکھنے کی عموماً دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ شئے کا جتنا حصہ نظر کے مقابل ہو اتنا ہی دیکھا جاسکے۔ دوسری یہ کہ شئے کہ سارے اطراف وجوانب بہ یک نظر دیکھ سکیں۔ اس لحاظ سے رویت کی دو قسمیں ہوئیں۔ (1) رویتِ لا مع الاحاطہ (2) رویت مع الاحاطہ۔ دوسری صورت کو ادراک کہتے ہیں۔۔ اس توضیح سے ظاہر ہے کہ آئیہ شریفہ میں ادراک کی نفی کی گئی ہے جو بالکل درست ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے حد و نہایت ہے اس لیے اس ذات کا ادراک یعنی اس کی رویت معالاحاطہ یقیناً ممتنع ہے۔ اِسی لیے ادراک کی نفی کی گئی ہے لیکن اس ادراک کی نفی سے نفسِ رویت کی نفی کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اس کے قطع نظر نفیِ رویت پر دلالت کرنے والی صاف و صریح کوئی آیت قرآنِ مجید میں موجود ہی نہیں ہے۔ امام موصوف کا استدلال ملاحظہ ہو:-

فنقول المرئی اذاکان له حدونهاية و ادركه البصر بجميع حدوه و جوانبه و نهاياته كان ذالك الابصار احاط به فتسمتى هٰذه الروية اراكا۔ اماذالم يحط البصر بجوانب المولیٰ لم تسم تلک الروية ادركا۔ فالحاصل ان الروية جنس تحتها نوعان روية مع الاحاطه و روية لا مع الاحاطه۔ والروية مع الاحاطة هوالمسماة بالادراک فنفی نوع واحد من نوعی الروية۔ و نفی النوع لا يوجب

نفی الجنس فلم يلزم من نفی الادرا عن الله نفی الروية من الله فهذا وجه حسن مقبول فی الاعتراض علیٰ کلام الخصم (تفسيرِ كبير الجزءالرابع صفحه 170)

ترجمہ:- ہمارا استدلال یہ ہے کہ جب کوئی شئے محدود ہو اور اس کے پورے حدود و جوانب ونہایات کا بصر نے ادراک کر لیا ہو تو گویا بصر نے شئے کا احاطہ کر لیا۔ ایسی رویت کو ادراک کہتے ہیں۔۔ لیکن اگر بصر شئے نے شئ کے پورے جوانب کا احاطہ نہ کیا تو ایسی رویت کو ادراک نہیں کہا جاتا۔ حاصل یہ کہ رویت جنس ہے جس کے تحت دو نوع ہیں۔ ایک رویت مع الاحاطہ۔ دوسری رویت لا مع الاحاطہ۔ اور رویتِ مع الاحاطہ کو ادراک کہا جاتا ہے۔ پس نفیِ ادراک سے دو نوعوں میں صرف ایک نوع کی نفی متعین ہو چکی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ نوع کی نفی سے جنس کی نفی لازم نہیں آ

تی۔ پس ادراک اللہ کی نفی سے "رویۃ اللہ" کی نفی نہیں لازم آتی اور یہ دلیل خصم کے اعتراض کے جواب میں اچھی و مقبول ہے۔

علماء پر مخفی نہیں کہ تمام اکابرِ اہلِ سنت، بلا اختلاف نفسِ مسئلۂ دیدارِ الٰہی کے قائل ہیں اور آخرت میں دیدار سے مشرف ہونے کے بارے میں بھی سب متفق و معتقد ہیں۔ البتہ بعض کو اختلاف ہے تو دنیا میں دیدارِ الٰہی کے شرف کے بارے میں ہے۔۔ لیکن یہ بھی کوئی ایسا مشکل امر نہیں کیونکہ جو خدائے قدیر جس طرح قیامت میں جن مومنین کو دیدار سے مشرف ہونے کے قابل نظر عطا فرمانے کی قدرت رکھتا ہے وہی خدا اس دنیا میں بھی ایسی نظر عطا کرنے سے ہر گز عاجز نہیں۔!!!

امام محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں:-

فعلم انه كلما جازوقوعه فی المنادوفی الدار الآخرة جازو قوعه و تعجيله لمن شاء فی اليقظة و الحيٰوة الدنيا۔ (فتوحاتِ مكيه باب 64)

ترجمہ:- معلوم ہوا کہ جب دیدار کا وقوع، خواب میں اور آخرت میں جائز ہے تو جس شخص کو اللہ چاہے بیداری اور اس زندگانی، دنیا میں بھی اس کے لئے دیدار کا وقوع جائز ہے۔

حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

ان الله اجتجب عن القلوب كما اجتجب عن الابصار فان اوقع تجليا فابصرو الفوا دو احد (عرايس البيان)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ جس طرح آنکھوں سے حجاب میں ہے اِسی طرح قلوب سے بھی حجاب میں ہے۔ پس اگر وہ اپنی تجلی ڈالے تو پھر آنکھ اور دل دونوں ایک ہیں۔

حضرت جامیؔ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

دیدِ محمدؐ نہ بچشمِ دگر ☆☆☆ بلکہ ہمیں چشمِ سر و چشمِ سر

حضرت خواجہ بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شیخ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک کتاب کی شرح لکھی ہے جس کا نام "آداب المریدین" ہے۔اس میں دیدار سے متعلق یہ لکھا گیا ہے:-

واجماع صوفیان است کہ خدائے تعالیٰ بدیں چشمے کہ برروئے است ایں صدقہ کہ ہست و روشنائی کہ دریں حدقہ کہ ہست ہمبریں روشنائی کہ خدائے را خواہند دید۔۔۔ من کہ محمد حسینی ام می گویم کہ خدائے را بزرگاں باشند کہ ہم در دنیا بچشمِ دل بینند۔۔۔۔ثابت شد کہ طالب صادق و مشتاق واثقِ جمالِ حضرت سبحانہ و تعالیٰ بلا کیف و کیفیتہ در دنیا بیند۔

(آداب المریدین)

ترجمہ:- یعنی اس بات پر صوفیوں کا اجماع ہے کہ ان آنکھوں سے جو کہ چہرہ پر ہیں اور انھیں حدقوں سے کہ جن میں روشنائی ہے اِسی روشنائی سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں۔میں جو کہ محمد حسینی ہوں کہتا ہوں کہ ایسے بزرگ بندے بھی ہیں کہ جنھوں نے اس دنیا میں خدا کو چشمِ دل سے دیکھا ہے۔(اس کے بعد آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ) ثابت ہے کہ طالبِ صادق اور مشتاق واثق حضرت سبحانہٗ تعالیٰ کے جمال کو اس دنیا میں دیکھ سکتا ہے۔

آدمی دید است باقی پوست است ☆☆ دید آں باشد کہ دید دوست است

(مولانا رومؒ)

اس مختصر بحث سے ظاہر ہو چکا کہ مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے دیدارِ الٰہی کے بارے میں مہدویہ کے مسلک کو مسلماتِ اہلِ سنت سے مغائر قرار دینے کی جو کوشش کی بہر جہت غلط ہے۔البتہ بات صرف اتنی سی ہے کہ طلبِ دیدارِ خدا کی فرضیت، اہلِ سنت میں متعارف نہیں تھی حضرت امامنا علیہ السلام نے بحکمِ خدا فرض قرار دیا ہے اور اس کے مزید ثبوت کے طور پر قرآنِ مجید کی آیات بھی بیان فرمائی ہیں۔۔یہاں ایک شرعی ضابطہ پیشِ نظر رکھنا کافی ہے۔وہ یہ کہ

اللہ تعالیٰ جس امر کا حکم دے اور جس امر سے منع کرے اور اس کی خلاف ورزی کی سزا دوزخ قرار دے تو اس حکم کی اتباع کرنا اور اوامر ممنوع کو ترک کرنا فرض ہو گا۔ بحر العلوم علامہ شمسی مرحوم نے اس ضابطہ پر تنویر الہدایہ میں بحث کی ہے:-

اللہ تعالیٰ دیدار سے متعلق فرماتا ہے:-

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿110﴾ (سورۃ الکھف۔110)

ترجمہ:- جو شخص اپنے رب کی لقاء (دیدار) کا امیدوار ہو تو وہ عملِ صالح (ترکِ دنیا و ترکِ شرک) کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

" لقاء" کے معنوں میں بھی علماء نے بہت بحث کی ہے۔ بعض نے "ثواب" اور بعض نے " رجوع الی اللہ" مراد لی ہے۔ اصل یہ ہے کہ علمائے متقدمین متکلمین کے زمانے میں یونانی فلسفہ کی عالمِ اسلام میں شہرت ہو چکی تھی۔ اور غیر مسلم علماء کی طرف سے انہیں اصول پر اعتراضات کیے جا رہے تھے۔ اس لیے علماء کا زیادہ وقت انہیں مباحث میں گزر رہا تھا۔ اور فلسفہ کی عام مقبولیت کی وجہ علمائے معقول نے یہ دعویٰ کر دیا کہ شرائع انبیاء علیہم السلام فلسفہ سے بالکل مطابق ہیں۔ اس دعویٰ کی بناء پر ان کے لیے لازم ہو گیا کہ مسائلِ شرعیہ کو مباحثِ فلسفہ سے مطابق کریں اس کام کے لیے انھیں شرائع الہیہ میں ہزاروں تاویلیں کرنی پڑیں دیدارِ الٰہی کے بارے میں معتزلہ وغیرہ کے اختلاف کی بھی یہی وجہ ہے کہ شرائطِ رویت جو فلسفہ میں مذکور ہیں اُن کے لحاظ سے رویتِ باری تعالیٰ کو اگر ممکن و جائز قرار دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم اور لوازم ہونا لازم آئے گا جو صحیح نہیں۔ اس لیے انھوں نے کمالِ تنزیہ کے نظر کرتے امکانِ رویتِ باری تعالیٰ سے انکار کیا۔ اور رویت سے متعلقہ آیتوں کے الفاظ میں تاویلات کی تکلیف اٹھائی۔ اگرچہ اشاعرہ نے معتزلہ کے رد کی کوشش کی ہے لیکن ان کے بعض استدلالات بھی لغزش سے بری نہیں ہیں۔ ان سب خرابیوں کی علت وہی فلسفہ سے مطابق کرنے کی کوشش ہے۔

علمائے علم معقول میں ایک مشہور فلسفی ابنِ رشد بھی ہیں۔ رویتِ باری تعالیٰ کے بارے میں ان کے خیالات بھی ملاحظہ ہوں جسے علامہ شمسی مرحوم نے "تنویر الہدایہ" میں بیان کئے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو نور سے موصوف کیا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ اللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور نور ایسا ہے کہ ادنیٰ واعلیٰ اس کو محسوس سمجھتے ہیں۔ اور اس کو اشرف محسوسات جانتے ہیں بلکہ نور کی وجہ سے دوسری چیزوں کا بھی ادراک کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنا نام نور رکھا ہے اور نور کی جہت سے سب قسم کی اشیا کی رویت ہوتی ہے تو اسی نور ہونے کی جہت سے اللہ تعالیٰ کی ذات بھی جائز الرویت ہوگی اور جو جائز الرویت ہو اس کی طلب محال نہیں ۔ پس معتزلہ کے سارے اعتراضات جن کی بناء اصولِ عقلیہ پر ہے اور جن کا منشاء کمالِ تنزیہ ہے اس تقریر سے اٹھ گئے اور اشاعرہ کے ان تاویلات کی بھی ضرورت نہ رہی جو توجیہہ و تاویلِ آیت " لَنْ تَرَانِیْ " 1 میں پیش کرتے ہیں۔ (تنویر الہدایہ صفحہ 138)

اس کے علاوہ جب کہ تمام فلاسفہ اس امر میں متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات " مادی جسم اور لوازم " سے بری ہے تو رویتِ باری تعالیٰ کے بارے میں رویت کی ان شرائط کی بحث ہی بے سود ہے جو مادی جسم اور اس کے لوازم سے تعلق رکھتی ہیں ورنہ یہ قیاس مع الفارق کے حکم میں ہوگا جس کا نتیجہ ثبوت کبھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ "لقاء" کے لغوی معنی

1۔ آئیہ "لَنْ تَرَانِیْ" یہ ہجرتِ باطنی کے بیان میں بحث کی گئی ہے ملاحظہ ہو حصہ توضیحات۔

"دیدار" کو چھوڑ دینا اور محض مادی جسم کی شرائطِ رویت کو پیشِ نظر رکھ کر بے جا تاویلات میں مبتلا ہونا درست نہیں ۔ اسی لئے امام رازیؒ نے ضرار بن عمرو الکوفی کا بیان نقل کیا ہے کہ:-

وانما یری بحاسۃ مادمۃ یخلقھا اللہ تعالیٰ بالبصر (تفسیر کبیر الرابع 171)

ترجمہ:- بے شک ایک چھٹی قوتِ حاسہ کے ذریعہ (اللہ تعالیٰ کی) رویت حاصل ہوگی جسے اللہ بصر میں پیدا فرمادیگا۔

آگے چل کر امام رازیؒ نے بعض لوگوں کے اس خیال کی کہ "اہلِ جنت" قربت کی وجہ دیدار سے مشرف اور اہلِ نار دوری کی وجہ محروم رہتے ہیں تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

بل لانہ یخلق الرویۃ فی عیون اھل الجنۃ ولا یخلقھا فی عیون اھل النار (جلد رابع 173)

ترجمہ:- بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کی آنکھوں میں رویت کی صلاحیت پیدا فرماتا ہے اور اہلِ دوزخ کی آنکھوں میں نہیں پیدا فرماتا۔

فرض جو حکمِ قرآنِ مجید اور حدیثِ متواتر سے ثابت ہو عام ازیں کہ وہ تنزیہی ہو یا تشبیہی اس پر ایمان لانا فرض ہے خواہ ہماری عقل اس کے معنی دریافت کر سکے یا دریافت سے قاصر رہے۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں ☆☆☆ عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

(اقبال)

پس عشق کا اقتضاء احکام کی تقلید کے سوائے کچھ نہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ "لقاء" کے معنی "دیدار" ہیں اس کے سوائے دوسرے معانی بیان کرنا تاویلاتِ بعیدہ ہیں اِسی لئے آیتِ مذکورہ کی تفسیر میں امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں:-

واصحابنا حملوا القاء الرب علی رویۃ (تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ 761

ترجمہ:- یعنے ہمارے ساتھیوں نے لقائے رب کو رویت پر محمول کیا ہے۔

صاحبِ بیضاوی نے لکھا ہے کہ:-

یامل حسن لقاء لہ (جلد 1 صفحہ 55)

ترجمہ:- یعنے اللہ کا حسن لقاء کا آرزو مند ہے۔

اس کے علاوہ ایسی آیت بھی ملتی ہے جس میں دیدار کی آرزو نہ کرنے والے کا ٹھکانہ دوزخ قرار دیا گیا ہے:-

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوۡا بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَاطۡمَاَنُّوۡا بِہَا وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوۡنَ ﴿7﴾ (سورۃ یونس۔7)

ترجمہ:- جو لوگ ہمارے لقاء (دیدار) کی امید نہیں رکھتے اور حیاتِ دنیا سے خوش ہوگئے اور اِسی پر مطمئن ہوگئے اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں اُن سب کا ٹھکانہ ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:-

واعلم ان حل فرجا علی الخوف بعید لان تفسیر الغد بالھند غیر جائز ولا مقع ھیا من حل ارجفاء علیٰ ظاھرہ الجۃ (تفسیر کبیر جلد 4 صفحہ 502)

ترجمہ:- واضح ہو کہ رجاء کا خوف پر محمول کرنا بعید ہے کیونکہ ضد کی تفسیر ضد سے کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہاں رجاء کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ دیدارِ الٰہی کی امید نہ رکھنے اور حیاتِ دنیا سے خوش و مطمئن ہو جانے کی سزا دوزخ قرار دی گئی ہے لہٰذا طلبِ دیدارِ خدا کو فرض تسلیم کرنا ہوگا۔ اس بحث کے قطعِ نظر جب کہ مہدیءِ موعودؑ خلیفتہ اللہ، مامور من اللہ ہیں اور کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کی پیروی تعلیمِ بلاواسطہ سے کرتے ہیں جس کا بیان روایت 9 اور 10 کی توضیح میں کیا جاچکا ہے ملاحظہ ہو۔ اس لحاظ سے آپؑ جس امر کو فرض قرار دیں گے واجب العتقاد والعمل ہوگا۔

روایت (227) ملاحظہ ہو کہ حضرت امامنا علیہ السلام نے فرمایا بندہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے قدم بقدم چلتا آیا ہے اور بینائیِ چشمِ سر و بینائیِ چشمِ دل میں آنحضرتؐ کی پوری پوری متابعت رکھتا ہے اور چشمِ سر و چشمِ دل کی اطلاقیت اِس درجہ پر پہنچ چکی ہے کہ) ایک ایک رونگٹا آئینہ و چشم بن چکا ہے۔ اور آپؑ کے صحابی حضرت سید خوندمیرؓ نے ایک

دفعہ فرمایا:- اللہ تعالیٰ نے بندہ کے ایک ایک بال کو دو دو آنکھیں عنایت کیں جن سے میں نے خدا کو دیکھا۔ اسی لئے امامنا علیہ السلام نے آپؓ کو یہ بشارت بھی دی کہ "برادرم سید خوندمیر فنا فی اللہ شدہ بہ بقا باللہ رسیدند" فنا فی اللہ رویتِ چشم سر ہے اور بقا باللہ "موبمو" درائے موبمو" اِس سے ظاہر ہے کہ رویت کی دو قسم ہیں۔ اگر بلا واسطہ ہو تو وہ رویت، مطلقہ ہے اگر بالواسطہ ہو تو مقیدہ۔

رویتِ مطلقہ، ناظرِ تجلّیِ ذات کو حاصل ہوتی ہے اور وہی مسلمانِ تام ہے۔ اسی لئے مہدویہ کے پاس ثابت ہے کہ ناظر انِ تجلّیِ ذات اور مسلمانانِ تام خاتمین علیہم السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا:-

قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ ؕ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿108﴾ (سورة یوسف)

ترجمہ:- کہدے (اے محمدؐ) یہ میرا راستہ ہے۔ اللہ کی طرف بصیرۃ (دیدار) پر میں بلاتا ہوں اور وہ شخص بھی بلائے گا جو میرا تابع (تام) ہے اور سبحان اللہ ہم دونوں مشرک نہیں ہیں۔

اس آیت میں لفظِ "انا" سے مراد ذاتِ رسول اللہ ﷺ اور "مَنِ اتَّبَعَنِىۡ" سے مراد ذاتِ مہدیءِ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ چونکہ ان حضراتؑ کی رویت میں اصطلاحی شرک کا بھی شائبہ نہیں رہا ہے اس لئے "سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جو مسلمانِ تام ہونے پر ہدایتہً دلالت کر رہے ہیں۔ خاتمین علیہما السلام کے سوائے جن صحابہؓ کے حق میں مسلمانِ تام۔ فنائے تام۔ ناظرِ تجلّیِ ذات کی بشارت پائی جائے وہ بشارت، بصدقہ خاتم ولایتِ محمدیہؐ خاص مرتبہ کی حامل ہوگی۔ باقی جتنے ناظرین صفاتی ہیں اُن پر رویتِ مقیدہ کا اطلاق ہوگا جو بالواسطہ ہوا کرتی ہے۔

امامنا علیہ السلام نے یہ جو فرمایا" ہر کہ خدائے را مقید بیند مشرک است "یہاں شرکِ شرعی نہیں بلکہ اصطلاحی شرک مراد ہے۔ صوفیۂ محققین کے پاس بھی یہ نوعیت مسلم ہے ان کی اصطلاح میں یہ ایسا شرک ہے

جسے شرفِ رویت، باری تعالیٰ حاصل رہتا ہے۔ مگر یہ رویت بلاواسطہ نہیں بلکہ بالواسطہ ہے۔ رویتِ بلاواسطہ تو خاتمین ؑ ہی کی خصوصیت ہے۔

سیدِ کل صاحبِ [1] ام الکتاب [2] ☆☆☆ پر دگیہا بر ضمیر ش بے حجاب

گرچہ عینِ ذات را [3] بے پردہ دید ☆☆☆ ربِ زدنی از زبانِ اُو چکید

(اقبالؒ)

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان واعتقاد کے بعد اس کی طلب پیدا ہونا ایک فطری لازمہ ہے۔ انسان کی نفسیات کا علم رکھنے والے اس بات سے انکار نہ کر سکیں گے کے ہر انسان میں ذوقِ طلب کا جذبہ فطرۃً موجود ہے۔ جس کی وجہ صدہاہزارہا مقاصد دورانِ عمر میں حاصل ہوتے جاتے ہیں لیکن ذوقِ طلب میں فرق نہیں آتا۔ مطمئن

ہونے نہیں پاتا۔ بڑی بڑی سندیں حاصل کرنے کے لیے نہایت انہماک و محنت کے ساتھ کوشش کیے جاتا ہے۔ جب یہ حاصل ہو جائیں تو طلب کا جذبہ ختم نہیں ہو جاتا۔ بڑے بڑے عہدے، عزو جاہ، دولت و ثروت، اہل و عیال کی طلب پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ حاصل ہو جائیں تو پھر کسی نہ کسی طلب کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہزاروں مقاصد حاصل ہوتے چلے جاتے ہیں پھر بھی تشنگیِ طلب موجود۔ سکون و اطمینان ندارد اس ناقابل انکارِ حقیقت پر غور کرنا چاہیئے کہ آخر انسان کے لیے وہ کونسا مقصد ہے جس کے حاصل ہو جانے کے بعد جذبۂ طلب اتنا سیر ہو جائے کہ پھر کسی دوسری طلب کی ضرورت ہی نہ رہے۔ سکون و اطمینانِ قلب نصیب ہو جائے۔ قرآنِ مجید کے اس مضمون پر غور کرنے کی ضرورت ہے جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ازل ہی میں ہم سے کیا جواب لیا گیا تھا۔ "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوْا بَلٰى ۚ" (سورۃ الاعراف۔172) یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ (بے شک تو ہی ہمارا رب ہے) اس سے ظاہر ہے کہ ہم ازل ہی میں اس ربوبیت کا اقرار کر چکے ہیں۔

اس جہان میں آنے کے بعد انسان میں ذوقِ طلب کا پایا جانا اور دنیا کا کسی بڑے سے بڑا فائدہ حاصل ہو جانے کے باوجود سکون و اطمینانِ قلب کا نصیب نہ ہونا اس امر کا بین ثبوت ہے کہ اس طلب کا اصل تعلق اسی ربوبیت سے ہونا چاہیے جس کا ہم اقرار کر چکے ہیں مگر عقل کی غلط رہبری اور گمراہ ماحول کے اثرات نے زیادہ تر انسانوں کو غیر اللہ کا پرستار بنا دیا۔ اور ایسے ہزاروں اسبابِ پرستش پیدا ہو گئے۔ خواہ کسی کی پرستش کی طرف مائل ہو جائیں لیکن کسی قابلِ پرستش و قابلِ عبادت وجود کی طلب و جستجو کا فطری میلان تو پایا جا رہا ہے۔۔۔ جو لوگ منکرینِ خدا ہیں ان سے نظامِ کائنات کے اسباب و علل پر بحث کی جائے تو وہ بھی یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں کہ ایک طاقت ضرور ہے جو اس نظامِ کائنات کی علت العلل ہے۔ گویا یہ "اللہ" کے منکر ہیں لیکن اس لفظ کے مفہوم کو ماننے پر مجبور ہیں اس لئے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا میں کوئی خدا کا منکر نہیں۔ اصطلاحات و تصورات کا فرق ہے۔ جس کی وجہ اعتقادات و عملیات میں بھی بہت بڑا فرق واقع ہو گیا ہے۔ اِسی لئے قرآنِ مجید میں مذکور ہے کہ:-

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ۔۔۔ الخ ۝ (سورۃ الزخرف۔87) یعنی اور اگر تم اُن سے پوچھو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ "اللہ"۔

غرض انسان میں جو ذوقِ طلب موجود ہے اس کو اسی خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف رجوع کیا جائے جس کی وجہ ایسا سکون واطمینان نصیب ہو سکتا ہے کہ غیر اللہ کی طلب کا ذوق ہی نہیں رہنے پاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ 27 ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً 28 ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ 29 ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ 30 ۝

(سورۃ الفجر۔30،29،28،27)

ترجمہ:- اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف راضی برضا بن کر رجوع ہو جا۔ اپنے خدا کے بندوں میں شامل ہو اور جنتِ دیدار میں داخل ہو جا۔

انسان جس طرح نفع بخش و محفوظ کن محسوسات سے محبت رکھتا ہے اسی طرح اُن ماورائے محسوسات اُمور سے بھی محبت کرتا ہے جن کے فضل و کمال کا علم ہو جائے۔ رستم کو اگرچہ دیکھا نہیں لیکن اس کے کمالِ طاقت اور کمالِ شجاعت کا آج بھی علم ہوتا ہے تو اس کی قدر و محبت کا میلان پیدا ہو جاتا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہر شخص تسلیم کرے گا کہ کسی کے فضل و کمال کا ذکر ہو تو اس کی تعریف و توصیف اور اظہارِ قدر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح اس ذات وحدہ لاشریک کے مظاہرِ قدرت سے جب کہ اس کے کمالِ لایزال کا علم ہو جائے لازماً محبت اور اس کے احترام کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اِسی لئے ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان واعتقاد کے بعد اس کی طلب پیدا ہونا ایک فطری لازمہ ہے۔

ہر شخص کی محبت اور طلب کا تعلق اسباب واغراض کی نوعیتوں کا تابع رہا کرتا ہے۔ ہر ایک کی محبت اور اس کے درجاتِ ایقان کی حیثیت سے محبت کے مراتب بڑھتے جاتے ہیں۔ بعض لوگ صرف ظاہری نظامِ عبادات و معاملات

کی حد تک مظاہرۂ محبت و اطاعت پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور بعض کے جذباتی عنصر میں اتنا انقلاب پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اُن حدود سے اوپر ترقی چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات منزہ عن التشبیہات ہے۔ کوئی تمثیل ممکن نہیں۔ صرف تفہیم کی خاطر ہم یہاں ایک نوعیت کا ذکر کرتے ہیں۔

کسی ملک کی رعایا اپنے حاکم کی حکومت میں زندگی بسر کر رہی ہے وہاں کے قوانین کی پابندی، سزا و جزا کو قبول کرتے ہوئے پوری اطاعت کر رہی ہے۔ اس لحاظ سے وہ سب لوگ مطیع و فرمانبردار رعایا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِنہی میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے قلوب میں یہ جذبہ موجزن ہوتا ہے کہ بادشاہ کے مقرب و منظورِ نظر بننے کا شرف و اعزاز حاصل کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے امن و امان اور عام اجتماعی سیاسی قوانین کے علاوہ دوسرے طریقے ایسے بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں کہ مقربِ بارگاہِ سلطانی بننے میں سہولت حاصل ہو۔ اِسی کے ذرائع اور وسائل کی جستجو میں منہمک رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سارے مراحل کے طے ہو جانے کے باوجود، تقرب کا اعزاز عطا ہونے کی درخواست کا منظور ہونا صرف لطف و کرمِ سلطانی کا محتاج رہا کرتا ہے۔

کلمۂ توحید، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، اوامر و نواہی سے متعلقہ عام مسائل پر اعتقاد و عمل، مطیعِ خدا اور رسول ہونے کے لئے کافی ہے۔ اس کے باوجود بعض مومنین ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں عرفان اور وصال الی المطلوب کی طلب پیدا ہوتی ہے۔ اس کے لئے عشق و محبتِ الٰہی کے لوازم اور کاملین صادقین کے فیضِ صحبت اور اُن کی تعلیم و تربیت پر صدقِ دل سے پورے طالبِ صادق کی شان میں عمل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان تمام شرائطِ عشق و محبت کی پابندی کے بعد بھی مقصد کا حاصل ہونا صرف فضلِ الٰہی پر منحصر رہتا ہے اور بس۔

ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوتِ متخیلہ عطا فرمائی ہے۔ اس کی وجہ سے تصورات حاصل ہوا کرتے ہیں جو چیز اس کے سامنے ہو اس کا تصور تو جو اس ظاہریہ کے ذریعہ ہو جاتا ہے لیکن جو

سامنے موجود نہ ہو اس کا ذکر کیا جائے اور اس کی خصوصیات و علامات بیان کی جائیں تو ذہن میں بوجہ ما اس چیز کا تصور پیدا ہو جانا ایک لازمی امر ہے۔ مثلاً جنگ کا محاظ ہم نے دیکھا نہیں لیکن وہاں کے حالات اور ہتیاروں کی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں تو اُن اُمور کی نسبت ایک تصور قائم ہو جاتا ہے۔ اگر وہاں کی تصاویر سامنے ہوں تو اس صورت میں جو تصور قائم ہو گا بلحاظ صحت اول الذکر تصور کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح ہو گا۔ سب سے زیادہ صحیح تصور تو اسی صورت میں ہو سکے گا جب کہ ہم خود جنگ کے محاذ پر پہنچکر بچشمِ خود معائنہ کریں۔ تصور کی اس مجمل گفتگو کے بعد یہ سمجھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں رسولوں اور صحائف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی صفات و خصوصیات سمجھائی گئی ہیں۔ دنیا میں اس کی قدرت کے گونا گوں مظاہرات پر سے اس کے وجود کا یقین پیدا کیا گیا ہے۔ جس کا اقرار اولین شرطِ اسلام قرار دی گئی ہے۔ اس اہتمامِ اقرار کے بعد انسان کے ذہن میں اللہ کے وجود کے متعلق بوجہ ما تصور پیدا ہونا بھی فطری امر ہے۔ یہ تصور جس انسان میں زیادہ سے زیادہ قریب الصحت ہو گا اقرارِ توحید کے منازل میں اس کا مقام آگے ہو گا۔

بحر العلوم علامہ شمسی مرحوم نے لکھا ہے:-

"وجود اور صفاتِ باری تعالیٰ چونکہ حکما و صوفیہ کے پاس عینِ ذاتِ باری تعالیٰ ہیں تو محال ہے کہ باری تعالیٰ کا تصور بالکنہ یا بکہنہ ہو سکے مگر تصور بالوجہ و بوجہہ محال نہیں کیونکہ مخلوقات اور ان کے آثار میں غور کرنے سے تصور بالوجہ اور تصور بوجہہ کا حصول ممکن ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں فکر و غور کرنے کا حکم دیا ہے۔ (تنویر الہدایہ 16)

زبان سے کلمۂ توحید کہہ دینے رسول و قرآن پر ایمان لانے اور حتیٰ المقدور قوانین کا اتباع کر لینے سے داخلِ اسلام تو ہو جاتا ہے لیکن یہ عامیوں کا درجہ ہے۔ دوسری صورت اُن علما و متکلمین و فلاسفہ کی ہے جو دلائل و براہین سے وجودِ باری تعالیٰ ثابت کرتے ہیں۔ تیسری صورت اُن عارفین کی ہے جو استدلالی طریقہ کو ناقص سمجھتے اور دیدار کے طالب

ہوتے ہیں۔ گویا علم الیقین سے عین الیقین زیادہ کامل ہے اور اس سے زیادہ حق الیقین کا درجہ ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں:-

ان القلوب الصافیۃ مجبولۃ علی حب معرفۃ اللہ علی اکمل الوجوہ واکمل طوق المعرفۃ ھو الرویۃ

(تفسیرِ کبیر جلد 3 صفحہ 243)

ترجمہ:- بے شک صاف قلوب، اللہ تعالیٰ کی معرفت کامل ترین درجہ پر حاصل کرنے کے لئے فطرۃً مائل ہیں۔ اور معرفت کا کامل ترین طریقہ رویت ہے۔

گفت ایں علم وہنر گفتم کہ پوست ☆☆☆ گفت حجت چیست؟ گفتم روئے دوست

گفت دین عامیاں؟ گفتم شنید ☆☆☆ گفت دین عارفاں؟ گفتم کہ دید (اقبالؔ)

علم سے متعلقہ احکام کے باب میں عشق و علم اور علومِ مکاشفہ وعلومِ شرعیہ پر تفصیلی بحث کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت بندگی میاں سید خوندمیر رضی اللہ عنہٗ نے عقیدۂ شریفہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:-

نیز حکم کردہ است کہ از ہر یکے مرد وزن طلبِ دیدارِ خدا فرض است تا آنکہ بچشمِ سر یا بچشمِ دل یا در خواب نہ بیند مومن نباشد مگر طالب صادق۔ الخ

ترجمہ:- نیز امامنا علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ ہر مرد و عورت پر طلبِ دیدارِ خدا فرض ہے۔ چشمِ سر یا چشمِ دل سے یا خواب میں خدا کو جب تک نہ دیکھے مومن نہ ہوگا مگر طالبِ صادق (پر بھی ایمان کا حکم ہے)۔

مومن کی یہ خصوصیت درجاتِ یقین کے اعتبار سے ہے۔ لیکن مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مذہبِ مہدویہ میں بجز دیدارِ خدا کے مومن نہیں ہو سکتا اور مہدویوں پر خوب طعن وتہزو کیا ہے۔ اور دیدارِ خدا کے بارے میں بھی انھوں نے اختلاف کیا ہے اور اس کو مسلماتِ اہلِ سنت کے مغائر قرار دیا ہے۔۔۔ ناظرین

خود محسوس فرمالیں گے کہ یہ غلط الزام ہے۔ کیونکہ فرمانِ مذکور الصدر میں "دیدارِ خدا" کو فرض نہیں کہا گیا ہے بلکہ "طلبِ دیدار" فرض قرار دی گئی ہے اور دیدار پر ایمان کا انحصار بھی نہیں کیا گیا ہے۔ "مگر طالبِ صادق" کے الفاظ اس کے شاہد ہیں۔ اس کے علاوہ "نقلیاتِ میاں عبد الرشیدؒ" میں اِسی مضمون کی صاف و صریح روایت موجود ہے کہ:

"حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا مومنِ حقیقی وہ شخص ہے جو بینا ہو، چشمِ سر سے یا چشمِ دل سے یا خواب میں۔ اگر ان تینوں میں سے ایک بینائی بھی حاصل نہ ہو اور پوری طلب رکھتا ہو کہ بینائی روزی ہو تو ایسے مومن پر بھی ایمان کا حکم ہے"۔ ملاحظہ ہو روایت (188)۔

اِسی مضمون کی ایک اور توضیحی روایت بیان ہوئی ہے جس میں "ظالم النفسہٖ" مقتصد اور سابق بالخیرات کی تفسیر بیان ہوئی اور جبروتی، ملکوتی، لاہوتی ان تینوں مقامات کے ذکر کے بعد یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں کہ:-

ہر یکے ازیں سہ مقام ندارد و طلب و سعی ہم ندارد و ماتم نمی کند آں از گروہِ مہدی نباشد از مدعیاں و مکذباں ناشد (روایت 223)

اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ دیدارِ الٰہی سے مطلق مشرف نہ ہوئے ہوں اُن سے نفسِ ایمان کی نفی نہیں کی گئی ہے مگر افسوس کہ مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے یہ الزام عاید کیا ہے کہ جن مہدویوں کو دیدار حاصل نہیں وہ سب کافر ہیں۔
حالانکہ اِسی قسم کے احکام کی مثالیں آیات و احادیث میں بھی موجود ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (سورۃ المائدۃ۔ 47)

ترجمہ:- اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے جو لوگ اس کا حکم نہ کریں وہ فاسق ہیں۔

حدیثِ شریف ہے کہ:-

لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن لا عھد لہ۔

ترجمہ:- جس شخص میں امانت نہ ہو اس کو ایمان نہیں ہے جس میں عہد کی پابندی نہ ہو اس کو دین نہیں۔

ایضاً:- المسلم من سلم المسلمون من یدہٖ ولسانہ۔

ترجمہ:- مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ سے اور جس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

ایضاً:- من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر۔

ترجمہ:- جس نے عمداً نماز ترک کی وہ کافر ہوا۔

ایضاً:- لیس بمومن ما من بات شبعاناو جارہ جایع۔

ترجمہ:- وہ شخص مومن نہیں جس کا ہمسایہ بھوکا ہو اور خود پیٹ بھر کھا کر رات گزارے۔

ایسی بہت ساری مثالیں ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ان احکام کی اتباع جن مسلمانوں میں نہ پائی جائے وہ مسلمان و مومن نہیں کہلائے جاسکتے؟ اس کا جو کچھ جواب ہوگا وہی ہمارا جواب ہے۔

اللہ کا دیدار چشمِ سر یا چشمِ دل سے یا خواب میں ہونے کے بارے میں مہدویہ کا جو مسلک ہے وہ بھی مسلماتِ اہلِ سنت کے مغائر نہیں ہم اس کی بھی مختصراً توضیح دیتے ہیں۔

شرح مواقف جو علم کلام کی مشہور کتاب ہے اس میں دیدار کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے:-

اجتمعت الائمۃ من اصحابنا علیٰ ان رویۃ اللہ تعالیٰ فی الدنیا والاٰخرۃ جائزۃ عقلاً واختلفوا فی جوازھا سمعافی الدنیا فاثبتہ بعضھم ونفاہ اُخرون۔

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ کی رویت، دنیا و آخرت میں عقلاً جائز ہونے پر ہمارے ائمہؒ کا اجماع ہے۔ اور بہ اعتبارِ نقل دنیا میں جائز ہونے پر اختلاف ہے۔ بعض نے دنیا میں دیدار ہونے کو ثابت کیا ہے اور بعض نے اس کی نفی کی ہے۔

اور شرح عقاید میں لکھا ہے کہ:-

ھٰذا مشعر بامکان الرویۃ فی الدنیا۔ یعنے یہ اشارہ ہے اس بات کا کہ دنیا میں رویت ممکن ہے۔

اور علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں ذکر کیا ہے کہ:-

اما الاجماع فاتفاق الامۃ قبل حدوث المخالفین علیٰ وقوع الرویۃ

ترجمہ:- مخالفین پیدا ہونے کے پہلے امتِ محمدیہؐ نے وقوعِ رویت پر اتفاق کیا ہے۔

ایضاً:- حتی روی حدیث الرویۃ احد و عشرون رجلاً من کبار الصحابۃ رضی اللہ عنھم۔

ترجمہ:- رویت کی حدیث اکیس جلیل القدر صحابیوں سے مروی ہے۔

قرآنِ مجید میں دیدارِ الٰہی سے متعلق جو آیتیں ہیں ان میں سے ہم یہاں صرف ایک آیت کی بحث پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ ایسی آیت ہے کہ جس پر معرکتہ الآرا بحثیں ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ (سورۃ الانعام۔103)

ترجمہ:- ابصار اس کا (اللہ تعالیٰ کا) ادراک نہیں کر سکتے اور وہ ابصار کا ادراک کرتا ہے اور وہ لطیف خبیر ہے۔

بعض جماعتوں نے اس آئیہ شریفہ سے نفیِ رویت پر استدلال کیا ہے اور مفسرینِ اہلِ سنت نے اس سے دیدارِ الٰہی کا ثبوت بیان کیا ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ نے تفصیلاً بحث کرتے ہوئے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اس آیت سے دیدارِ الٰہی کی نفی نہیں بلکہ تائید ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ کسی شئے کو دیکھنے کی عموماً دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ شئے کا جتنا حصہ نظر کے مقابل ہو اتنا ہی دیکھا جاسکے۔ دوسری یہ کہ شئے کہ سارے اطراف و جوانب بہ یک نظر دیکھ سکیں۔ اس لحاظ سے رویت کی دو قسمیں ہوئیں۔ (1) رویتِ لا مع الاحاطہ (2) رویت مع الاحاطہ۔ دوسری صورت کو ادراک کہتے ہیں۔۔ اس توضیح سے ظاہر

ہے کہ آئیہ شریفہ میں ادراک کی نفی کی گئی ہے جو بالکل درست ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے حد و نہایت ہے اس لیے اس ذات کا ادراک یعنی اس کی رویت معالاحاطہ یقیناً ممتنع ہے۔ اِسی لیے ادراک کی نفی کی گئی ہے لیکن اس ادراک کی نفی سے نفسِ رویت کی نفی کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اس کے قطع نظر نفیِ رویت پر دلالت کرنے والی صاف و صریح کوئی آیت قرآنِ مجید میں موجود ہی نہیں ہے۔ امام موصوف کا استدلال ملاحظہ ہو:-

فنقول المرئی اذا کان لہ حد ونھایۃ وادرکہ البصر بجمیع حدودہ وجوانبہ ونھایاتہ کان ذالک الابصار احاط بہ فتسمتی ھٰذہ الرویۃ اراکا۔ اما اذالم یحط البصر بجوانب المولیٰ لم تسم تلک الرویۃ ادرکا۔ فالحاصل ان الرویۃ جنس تحتھانوعان رویۃ مع الاحاطہ و رویۃ لا مع الاحاطہ۔ والرویۃ مع الاحاطۃ

ھوالمسماۃ بالادراک فنفی نوع واحد من نوعی الرویۃ۔ ونفی النوع لایوجب نفی الجنس فلم یلزم من نفی الادرا عن اللہ نفی الرویۃ من اللہ فھذا وجہ حسن مقبول فی الاعتراض علیٰ کلام الخصم (تفسیرِ کبیر الجزء الرابع صفحہ 170)

ترجمہ:- ہمارا استدلال یہ ہے کہ جب کوئی شئے محدود ہو اور اس کے پورے حدود و جوانب و نہایات کا بصر نے ادراک کر لیا ہو تو گویا بصر نے شئے کا احاطہ کر لیا۔ ایسی رویت کو ادراک کہتے ہیں۔۔ لیکن اگر بصر شئے نے شئ کے پورے جوانب کا احاطہ نہ کیا تو ایسی رویت کو ادراک نہیں کہا جاتا۔ حاصل یہ کہ رویت جنس ہے جس کے تحت دو نوع ہیں۔ ایک رویت مع الاحاطہ۔ دوسری رویت لا مع الاحاطہ۔ اور رویتِ مع الاحاطہ کو ادراک کہا جاتا ہے۔ پس نفیِ ادراک سے دونوعوں میں صرف ایک نوع کی نفی متعین ہو چکی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ نوع کی نفی سے جنس کی نفی لازم نہیں آ تی۔ پس ادراک اللہ کی نفی سے "رویۃ اللہ" کی نفی نہیں لازم آتی اور یہ دلیل خصم کے اعتراض کے جواب میں اچھی و مقبول ہے۔

علماء پر مخفی نہیں کہ تمام اکابرِ اہلِ سنت، بلا اختلاف نفسِ مسئلۂ دیدارِ الٰہی کے قائل ہیں اور آخرت میں دیدار سے مشرف ہونے کے بارے میں بھی سب متفق و معتقد ہیں۔ البتہ بعض کو اختلاف ہے تو دنیا میں دیدارِ الٰہی کے شرف

کے بارے میں ہے۔۔ لیکن یہ بھی کوئی ایسا مشکل امر نہیں کیونکہ جو خدائے قدیر جس طرح قیامت میں جن مومنین کو دیدار سے مشرف ہونے کے قابل نظر عطا فرمانے کی قدرت رکھتا ہے وہی خدا اس دنیا میں بھی ایسی نظر عطا کرنے سے ہر گز عاجز نہیں۔!!!

امام محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں:-

فعلم انہ کلما جاز وقوعہ فی المنادو فی الدار الآخرۃ جاز وقوعہ وتعجیلہ لمن شاء فی الیقظۃ والحیٰوۃ الدنیا۔ (فتوحاتِ مکیہ باب 64)

ترجمہ:- معلوم ہوا کہ جب دیدار کا وقوع، خواب میں اور آخرت میں جائز ہے تو جس شخص کو اللہ چاہے بیداری اور اس زندگانی، دنیا میں بھی اس کے لئے دیدار کا وقوع جائز ہے۔

حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

ان اللہ احتجب عن القلوب کما احتجب عن الابصار فان اوقع تجلیا فابصر والفوادواحد

(عرایس البیان)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ جس طرح آنکھوں سے حجاب میں ہے اِسی طرح قلوب سے بھی حجاب میں ہے۔ پس اگر وہ اپنی تجلی ڈالے تو پھر آنکھ اور دل دونوں ایک ہیں۔

حضرت جامیؒ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

دیدِ محمدؐ نہ بچشمِ دگر ☆☆☆ بلکہ ہمیں چشمِ سر و چشمِ سر

حضرت خواجہ بندہ نواز رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شیخ سہر وردی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک کتاب کی شرح لکھی ہے جس کا نام "آداب المریدین" ہے۔ اس میں دیدار سے متعلق یہ لکھا گیا ہے:-

واجماع صوفیان است کہ خدائے تعالیٰ بدیں چشمے کہ برروئے است ایں صدقہ کہ ہست وروشنائی کہ دریں حدقہ کہ ہست ہمبریں روشنائی کہ خدائے راخواہند دید۔۔ من کہ محمد حسینی ام می گویم کہ خدائے رابزرگاں باشند کہ ہم در دنیا بچشمِ دل بینند۔۔۔۔ثابت شد کہ طالب صادق ومشتاق واثق جمالِ حضرت سبحانہ وتعالیٰ بلاکیف وکیفیتہ درد نیا بیند۔

(آداب المریدین)

ترجمہ:-یعنی اس بات پر صوفیوں کا اجماع ہے کہ ان آنکھوں سے جو کہ چہرہ پر ہیں اور انھیں حدقوں سے کہ جن میں روشنائی ہے اِسی روشنائی سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتے ہیں۔میں جو کہ محمد حسینی ہوں کہتاہوں کہ ایسے بزرگ بندے بھی ہیں کہ جنھوں نے اس دنیامیں خداکو چشمِ دل سے دیکھاہے۔(اس کے بعد آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ)ثابت ہے کہ طالبِ صادق اور مشتاق واثق حضرت سبحانہٗ تعالیٰ کے جمال کو اس دنیامیں دیکھ سکتاہے۔

آدمی دید است باقی پوست است☆☆ دید آں باشد کہ دید دوست است

(مولانارومؒ)

اس مختصر بحث سے ظاہر ہوچکا کہ مولفِ ہدیۂ مہدویہ نے دیدارِالٰہی کے بارے میں مہدویہ کے مسلک کو مسلماتِ اہلِ سنت سے مغائر قرار دینے کی جو کوشش کی بہر جہت غلط ہے۔البتہ بات صرف اتنی سی ہے کہ طلبِ دیدارِ خداکی فرضیت،اہلِ سنت میں متعارف نہیں تھی حضرت امامناعلیہ السلام نے بحکمِ خدافرض قرار دیاہے اور اس کے مزید ثبوت کے طورپر قرآنِ مجید کی آیات بھی بیان فرمائی ہیں۔۔یہاں ایک شرعی ضابطہ پیشِ نظر رکھنا کافی ہے۔وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جس امر کا حکم دے اور جس امر سے منع کرے اور اس کی خلاف ورزی کی سزادوزخ قرار دے تواس حکم کی اتباع کرنااور اوامر ممنوع کوترک کرنافرض ہوگا۔بحرالعلوم علامہ شمسی مرحوم نے اس ضابطہ پر تنویرالہدایہ میں بحث کی ہے:-

اللہ تعالیٰ دیدار سے متعلق فرماتا ہے:-

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ (سورۃ الکھف۔110)

ترجمہ:- جو شخص اپنے رب کی لقاء (دیدار) کا امیدوار ہو تو وہ عملِ صالح (ترکِ دنیا و ترکِ شرک) کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

"لقاء" کے معنوں میں بھی علماء نے بہت بحث کی ہے۔ بعض نے "ثواب" اور بعض نے "رجوع الی اللہ" مراد لی ہے۔ اصل یہ ہے کہ علمائے متقدمین متکلمین کے زمانے میں یونانی فلسفہ کی عالمِ اسلام میں شہرت ہو چکی تھی۔ اور غیر مسلم علماء کی طرف سے انہیں اصول پر اعتراضات کیے جا رہے تھے۔ اس لیے علماء کا زیادہ وقت انہیں مباحث میں گزر رہا تھا۔ اور فلسفہ کی عام مقبولیت کی وجہ علمائے معقول نے یہ دعویٰ کر دیا کہ شرائع انبیاء علیہم السلام فلسفہ سے بالکل مطابق ہیں۔ اس دعویٰ کی بناء پر ان کے لیے لازم ہو گیا کہ مسائلِ شرعیہ کو مباحثِ فلسفہ سے مطابق کریں اس کام کے لیے انھیں شرائع الٰہیہ میں ہزاروں تاویلیں کرنی پڑیں دیدارِ الٰہی کے بارے میں معتزلہ وغیرہ کے اختلاف کی بھی یہی وجہ ہے کہ شرائطِ رویت جو فلسفہ میں مذکور ہیں اُن کے لحاظ سے رویتِ باری تعالیٰ کو اگر ممکن و جائز قرار دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم اور لوازم ہونا لازم آئے گا جو صحیح نہیں۔ اس لیے انھوں نے کمالِ تنزیہ کے نظر کرتے امکانِ رویتِ باری تعالیٰ سے انکار کیا۔ اور رویت سے متعلقہ آیتوں کے الفاظ میں تاویلات کی تکلیف اٹھائی۔ اگرچہ اشاعرہ نے معتزلہ کے رد کی کوشش کی ہے لیکن ان کے بعض استدلالات بھی لغزش سے بری نہیں ہیں۔ ان سب خرابیوں کی علت وہی فلسفہ سے مطابق کرنے کی کوشش ہے۔

علمائے علم معقول میں ایک مشہور فلسفی ابنِ رشد بھی ہیں۔ رویتِ باری تعالیٰ کے بارے میں ان کے خیالات بھی ملاحظہ ہوں جسے علامہ شمسی مرحوم نے "تنویر الہدایہ" میں بیان کئے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو نور سے موصوف کیا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ اللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور نور ایسا ہے کہ ادنیٰ و اعلیٰ اس کو محسوس سمجھتے ہیں۔ اور اس کو اشرف محسوسات جانتے ہیں بلکہ نور کی وجہ سے دوسری چیزوں کا بھی ادراک کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنا نام نور رکھا ہے اور نور کی جہت سے سب قسم کی اشیا کی رویت ہوتی ہے تو اسی نور ہونے کی جہت سے اللہ تعالیٰ کی ذات بھی جائز الرویت ہو گی اور جو جائز الرویت ہو اس کی طلب محال نہیں۔ پس معتزلہ کے سارے اعتراضات جن کی بناء اصولِ عقلیہ پر ہے اور جن کا منشاء کمالِ تنزیہ ہے اس تقریر سے اٹھ گئے اور اشاعرہ کے ان تاویلات کی بھی ضرورت نہ رہی جو توجہیہ و تاویلِ آیت "لَنْ تَرَانِیْ" 1 میں پیش کرتے ہیں۔ (تنویر الہدایہ صفحہ 138)

اس کے علاوہ جب کہ تمام فلاسفہ اس امر میں متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات "مادی جسم اور لوازم" سے بری ہے تو رویتِ باری تعالیٰ کے بارے میں

1۔ آئیہ "لَنْ تَرَانِیْ" یہ ہجرتِ باطنی کے بیان میں بحث کی گئی ہے ملاحظہ ہو حصہ توضیحات۔

رویت کی ان شرائط کی بحث ہی بے سود ہے جو مادی جسم اور اس کے لوازم سے تعلق رکھتی ہیں ورنہ یہ قیاس مع الفارق کے حکم میں ہو گا جس کا نتیجہ ثبوت کبھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ "لقاء" کے لغوی معنی "دیدار" کو چھوڑ دینا اور محض مادی جسم کی شرائطِ رویت کو پیشِ نظر رکھ کر بے جا تاویلات میں مبتلا ہونا درست نہیں۔ اسی لئے امامِ رازیؒ نے ضرار بن عمرو الکوفی کا بیان نقل کیا ہے کہ:-

وانما یری بحاسۃ سادسۃ یخلقھا اللہ تعالیٰ بالبصر (تفسیر کبیر الرابع 171)

ترجمہ:- بے شک ایک چھٹی قوتِ حاسہ کے ذریعہ (اللہ تعالیٰ کی) رویت حاصل ہو گی جسے اللہ بصر میں پیدا فرمادیگا۔

آگے چل کر امام رازیؒ نے بعض لوگوں کے اس خیال کی کہ "اہلِ جنت" قربت کی وجہ دیدار سے مشرف اور اہلِ نار دوری کی وجہ محروم رہتے ہیں تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

بل لانہ یخلق الرویۃ فی عیون اھل الجنۃ ولا یخلقھا فی عیون اھل النار (جلد رابع 173)

ترجمہ:- بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کی آنکھوں میں رویت کی صلاحیت پیدا فرماتا ہے اور اہلِ دوزخ کی آنکھوں میں نہیں پیدا فرماتا۔

فرض جو حکمِ قرآنِ مجید اور حدیثِ متواتر سے ثابت ہو عام ازیں کہ وہ تنزیہی ہو یا تشبیہی اس پر ایمان لانا فرض ہے خواہ ہماری عقل اس کے معنی دریافت کرسکے یا دریافت سے قاصر رہے۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں ☆☆☆ عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

(اقبال)

پس عشق کا اقتضاء احکام کی تقلید کے سوائے کچھ نہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ "لقاء" کے معنی "دیدار" ہیں اس کے سوائے دوسرے معانی بیان کرنا تاویلاتِ بعیدہ ہیں اِسی لئے آیتِ مذکورہ کی تفسیر میں امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں:-

واصحابنا حملوا لقاء الرب علی رویۃ (تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ 761

ترجمہ:- یعنے ہمارے ساتھیوں نے لقائے رب کو رویت پر محمول کیا ہے۔

صاحبِ بیضاوی نے لکھا ہے کہ:-

یامل حسن لقاء لہ (جلد 1 صفحہ 55)

ترجمہ:- یعنے اللہ کا حسن لقاء کا آرزومند ہے۔

اس کے علاوہ ایسی آیت بھی ملتی ہے جس میں دیدار کی آرزو نہ کرنے والے کا ٹھکانہ دوزخ قرار دیا گیا ہے:-

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوۡا بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ اطۡمَاَنُّوۡا بِہَا وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوۡنَ ۙ﴿۷﴾ (سورۃ یونس۔7)

ترجمہ:- جو لوگ ہمارے لقاء (دیدار) کی امید نہیں رکھتے اور حیاتِ دنیا سے خوش ہو گئے اور اِسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں اُن سب کا ٹھکانہ ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:-

واعلم ان حل فرجا علی الخوف بعید لان تفسیر الغد بالھند غیر جائز ولا مقع ھیا من حل ارجفاء علیٰ ظاہرہ الجۃ (تفسیر کبیر جلد 4 صفحہ 502)

ترجمہ:- واضح ہو کہ رجاء کا خوف پر محمول کرنا بعید ہے کیونکہ ضد کی تفسیر ضد سے کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہاں رجاء کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ دیدارِ الٰہی کی امید نہ رکھنے اور حیاتِ دنیا سے خوش و مطمئن ہو جانے کی سزا دوزخ قرار دی گئی ہے لہٰذا طلبِ دیدارِ خدا کو فرض تسلیم کرنا ہو گا۔ اس بحث کے قطعِ نظر جب کہ مہدیٔ موعودؑ خلیفۃ اللہ، مامور من اللہ ہیں اور کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کی پیروی تعلیمِ بلا واسطہ سے کرتے ہیں جس کا بیان روایت 9 اور 10 کی توضیح میں کیا جا چکا ہے ملاحظہ ہو۔ اس لحاظ سے آپؑ جس امر کو فرض قرار دیں گے واجب العتقاد و العمل ہو گا۔

روایت (227) ملاحظہ ہو کہ حضرت امامنا علیہ السلام نے فرمایا بندہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلتا آیا ہے اور بینائیٔ چشمِ سر و بینائیٔ چشمِ دل میں آنحضرتؐ کی پوری پوری متابعت رکھتا ہے اور چشمِ سر و چشمِ دل کی اطلاقیت اس درجہ پر پہنچ چکی ہے کہ) ایک ایک رونگٹا آئینہ و چشم بن چکا ہے۔ اور آپؑ کے صحابی حضرت سید خوندمیرؓ نے ایک

دفعہ فرمایا:- اللہ تعالیٰ نے بندہ کے ایک ایک بال کو دو دو آنکھیں عنایت کیں جن سے میں نے خدا کو دیکھا۔ اسی لئے امامناعلیہ السلام نے آپؓ کو یہ بشارت بھی دی کہ "برادرم سید خوندمیر فنافی اللہ شدہ بہ بقاباللہ رسیدند" فنافی اللہ رویتِ چشمِ سر ہے اور بقاباللہ "موبمو" ورائے موبمو" اس سے ظاہر ہے کہ رویت کی دو قسم ہیں۔ اگر بلاوسطہ ہو تو وہ رویت، مطلقہ ہے اگر بالواسطہ ہو تو مقیدہ۔

رویتِ مطلقہ، ناظرِ تجلیِ ذات کو حاصل ہوتی ہے اور وہی مسلمانِ تام ہے۔ اسی لئے مہدویہ کے پاس ثابت ہے کہ ناظر ان تجلیِ ذات اور مسلمانانِ تام خاتمین علیہم السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا:-

قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِیۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ قف عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ ط وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ (سورۃ یوسف۔ 108)

ترجمہ:- کہدے (اے محمدؐ) یہ میرا راستہ ہے۔ اللہ کی طرف بصیرۃ (دیدار) پر میں بلاتا ہوں اور وہ شخص بھی بلائے گا جو میرا تابع (تام) ہے اور سبحان اللہ ہم دونوں مشرک نہیں ہیں۔

اس آیت میں لفظِ "انا" سے مراد ذاتِ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ اور "مَنِ اتَّبَعَنِىۡ" سے مراد ذاتِ مہدیٔ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ چونکہ ان حضراتؑ کی رویت میں اصطلاحی شرک کا بھی شائبہ نہیں رہا ہے اس لئے "سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جو مسلمانِ تام ہونے پر بدایۃً دلالت کررہے ہیں۔ خاتمین علیہما السلام کے سوائے جن صحابہؓ کے حق میں مسلمانِ تام۔ فنائے تام۔ ناظرِ تجلیِ ذات کی بشارت پائی جائے وہ بشارت، بصدقہ خاتمِ ولایتِ محمدیہؐ خاص مرتبہ کی حال ہوگی۔ باقی جتنے ناظرین صفاتی ہیں۔ ان پر رویتِ مقیدہ کا اطلاق ہوگا جو بالواسطہ ہوا کرتی ہے۔

امامناعلیہ السلام نے یہ جو فرمایا "ہر کہ خدائے را مقید بیند مشرک است" یہاں شرکِ شرعی نہیں بلکہ اصطلاحی شرک مراد ہے۔ صوفیۂ محققین کے پاس بھی یہ نوعیت مسلم ہے ان کی اصطلاح میں یہ ایسا شرک ہے جسے شرفِ

رویت، باری تعالٰی حاصل رہتا ہے۔ مگر یہ رویت بلاواسطہ نہیں بلکہ بالواسطہ ہے۔ رویتِ بلاواسطہ تو خاتمینؑ ہی کی خصوصیت ہے۔

سیدِ کل صاحبِ 1 ام الکتاب 2 ☆☆☆ پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب

گرچہ عینِ ذات را 3 بے پردہ دید ☆☆☆ ربِ زدنی از زبانِ اُوچکید

(اقبالؔ)